Volume 04, Issue 01,
January-March 2026
PP: 65-83
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

محسن نقوی کی غزل میں رثائی عناصر

Elegiac Elements in the Ghazals of Muḥsin Naqvī

Shahid Abbas[1], Dr. Syed Amir Sohail[2]

Article QR

Article History

Received
09-03-2026

Accepted
30-03-2026

Published
30-03-2026

Abstract & Indexing

Abstract

Although modern Urdu ghazal has significantly expanded its thematic and expressive scope, the poetry of Muḥsin Naqvī occupies a distinctive position due to its deep symbolic and cultural association with the theme of Karbala. This study examines the elegiac (rithāʾī) elements in Muḥsin Naqvī's Karbala-oriented poetry and argues that his poetic discourse represents a synthesis of classical elegiac tradition and modern sensibility, achieved through linguistic simplicity, emotional intensity, and symbolic coherence. In Muḥsin Naqvī's poetry, the elegiac dimension presents Karbala not merely as a distant historical event but as a profound moral and existential reality. Through recurring symbols such as thirst, desert, blood, and martyrdom, he constructs a shared cultural vocabulary. These symbols are not merely ornamental; rather, they function as semantic foundations that link individual grief with collective memory. In this way, his poetry invites readers to engage with the ethical and emotional legacy of Karbala within contemporary social and political contexts. Muḥsin Naqvī's poetic tone avoids unnecessary abstraction and instead emphasizes emotional authenticity, rhythmic simplicity, and thematic unity, all of which significantly enhance the elegiac quality of his work. The fusion of personal sorrow with collective tragedy produces a layered yet accessible poetic experience. The elegiac elements in Muḥsin Naqvī's ghazals are not merely stylistic devices but a deliberate aesthetic strategy that renders complex intellectual and moral concepts both comprehensible and impactful. By presenting Karbala as a dynamic and relatable symbol, Muḥsin Naqvī revitalizes the elegiac tradition and ensures its continued relevance within modern Urdu literary discourse.

Keywords:

Mohsin Naqvi; Urdu Ghazal; Karbala; Elegiac Elements; Elegy; Symbolism; Moral Consciousness; Emotional Expression; Modern Urdu Poetry; Linguistic Simplicity; Socio-Political Context.

[1] *Ph. D Scholar (Urdu), The Islamia University, Bahawalpur.*
[2] *Head of Urdu Department, The Islamia University, Bahawalpur. amir.sohail@iub.edu.pk*

All Rights Reserved © 2026 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

ہماری ادبی تنقید کا منظر نامہ بتدریج ایسے داخلی تضادات اور گروہی تقسیم کا شکار ہو چکا ہے جو اپنی نوعیت میں کسی حد تک مسالک کی ساخت سے مماثلت رکھتے ہیں۔ تنقیدی عمل جو اُصولاً غیر جانب دار فکری محاکمے اور معروضی تجزیے کا تقاضا کرتا ہے۔ عملاً دھڑے بندی، خود ساختہ معیارات اور شخصی پسند و ناپسند کے حصار میں مقیّد دکھائی دیتا ہے۔ ہر حلقہ اپنے فکری زاویے اور وابستہ مفادات کو معیارِ نقد قرار دے کر دوسرے زاویوں کو یا تو نظر انداز کر دیتا ہے یا دانستہ طور پر غیر معتبر ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اِس صورتِ حال میں تنقید کا عمل تخلیقی متن کے باطنی اِمکانات کو منکشف کرنے کی بجائے محض رائے آرائی، گروہی وفاداری اور فکری اِجارہ داری کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جس کے نتیجے میں ادبی تنقید نہ صرف اپنی علمی وقعت کھو دیتی ہے بلکہ قاری اور متن کے درمیان بامعنی مکالمہ بھی شدید طور پر متاثر ہوتا ہے۔

دوسروں کی مثالیں ایک طرف اگر اُردو تنقید کے معتبر اور بااثر ناموں میں شامل گوپی چند نارنگ جیسے نقاد کے طرزِ عمل کا جائزہ لیا جائے تو معاملہ مزید پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ جب وہ اُردو شاعری کے ایک نہایت اہم اور تخلیقی رجحان یعنی ''سانحۂ کربلا بطور شعری استعارہ'' پر قلم اُٹھاتے ہیں تو اُن کا مطالعہ کلاسیکی روایت سے لے کر جدید شعرا تک نظر آتا ہے۔ مگر اسی تناظر میں پاکستان کے شعری اُفق پر موجود محسن نقوی جیسے نمایاں اور موثر شاعر کا ذکر اُن کے تجزیے سے غائب رہتا ہے۔ یہ اَمر اس لیے زیادہ معنی خیز ہو جاتا ہے کہ جس زمانے (۱۹۸۴ء) میں یہ مقالہ تحریر کیا جا رہا تھا اُس وقت محسن نقوی کی شعری شناخت محض مقامی نہیں رہی تھی۔ اُن کی شہرت سرحدوں سے ماورا ہو چکی تھی۔ ایسے میں یہ سوال ناگزیر ہو جاتا ہے کہ کیا یہ تنقیدی خاموشی محض اتفاق ہے یا پھر اِس کے پس منظر میں وہ تصاحب پسندی، گروہی وابستگی اور فکری دھڑے بندی کار فرما ہے جو ہماری ادبی تنقید کو معروضیت کے بجائے انتخابی ترجیحات کی طرف مائل کر دیتی ہے۔

بہر حال جب گوپی چند نارنگ کی مذکورہ کتاب پہلی بار نظر سے گزری تو اُسی لمحے یہ احساس بھی شدت اختیار کر گیا کہ محسن نقوی کی شاعری خصوصاً اُن کی غزلیات کو ''سانحۂ کربلا بطور شعری استعارہ'' کے تناظر میں از سرِ نو الگ سے پڑھا جانا چاہیے۔ چنانچہ یہ ارادہ مستحکم ہوا کہ ''بندِ قبا'' سے لے کر ''خیمۂ جاں'' تک پھیلی ہوئی اس شاعری میں موجود وہ شعری جواہر تلاش کیے جائیں جن میں سانحۂ کربلا کا استعارہ محض علامتی نہیں بلکہ فکری، اخلاقی اور وجودی سطح پر متشکل ہوتا ہے۔ محسن نقوی کا یہ شعر:

''خوش ہوں کہ وقتِ قتل مرا رنگ سُرخ تھا
میرے لبوں پہ حرفِ دعا کی لکیر تھی''
(۱)

محض شہادت کے منظر کی تصویری تشکیل نہیں بلکہ کربلائی شعور کے اُس بنیادی تصور کو مجسم کرتا ہے جہاں خون اور دُعا، مزاحمت اور اخلاق ایک ہی لمحے میں ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ یہاں سرخی محض خون کی نہیں بلکہ حقّانیت کی علامت ہے اور دعا کمزوری نہیں بلکہ روحانی برتری کا استعارہ بن جاتی ہے۔ اسی شعر کی توضیح خود محسن نقوی نے ''رختِ شب'' میں کر دی ہے۔

''یہ سخاوت مرے شجرے میں لکھی ہے پہلے
اپنے دشمن کو دعائیں تہِ خنجر دینا''

(۲)

اِس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اُن کے ہاں کربلا ایک واقعہ نہیں بلکہ ایک اخلاقی روّیہ ہے۔ دشمن کو زیرِ خنجر دُعا دینا دراصل اُسی حسینی اُسلوبِ مزاحمت کی طرف اشارہ ہے جس میں نفرت کی بجائے حق کی سربلندی مقدم رہتی ہے۔ یُوں محسن نقوی کی شاعری میں سانحۂ کربلا کا استعارہ محض مرثیاتی جذبے تک محدود نہیں رہتا بلکہ غزل کی فضا میں داخل ہو کر ایک ہمہ گیر فکری اور جمالیاتی جہت اختیار کر لیتا ہے۔

محسن نقوی کا پہلا شعری مجموعہ ''بندِ قبا'' کے نام سے ۱۹۶۹ء میں ملتان سے اُس وقت شائع ہوا جب وہ ابھی گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان میں ایم۔ اے اُردو سالِ اول کے طالب علم تھے۔ اِس مجموعے کی اشاعت سے ہی اُنھیں ایک عمدہ شاعر تسلیم کر لیا گیا اور ادبی حلقوں میں اُن کی خاطر خواہ پذیرائی ہونے لگی۔

محسن شناسی کے حوالے سے اُن پر پہلا تحریر کیا جانے والا مضمون جسے اُن کے اُستاد پروفیسر خلیل صدیقی نے لکھا اور جو ''بندِ قبا'' میں بطور دیباچہ موجود ہے۔ اس سے محسن نقوی کی فکری و فنی اُٹھان کا اِدراک ہوتا ہے۔

> ''مجموعی طور پر محسن نئی نسل کا ایک منفرد شاعر ہے اور اُس کی غزلوں میں جدید تر فکر کے مثبت پہلوؤں کی نمائندگی یعنی موضوعاتی تنوع، سماجی معنویت، پُر خلوص سادگی، لہجے کی نرمی اور شگفتگی اُس کے فنی ارتقا کی بیّن دلیل ہے۔''(۳)

یعنی ۷۰ء کی دہائی کے آغاز میں ہی محسن نقوی کو ایک منفرد شاعر کی حیثیت سے اہلِ ادب نے تسلیم کرنا شروع کر دیا تھا اور ''بندِ قبا'' سے ہی محسن نقوی کی غزل میں رثائی مضامین نے جگہ پا لی تھی۔

۱۔ بندِ قبا:

''بندِ قبا'' کے یہ اشعار دیکھیے:

''مقتل کی زمیں صاف تھی آئینے کی صورت
عکسِ رُخِ قاتل تھا ہر اک قطرۂ خوں میں''

(۴)

"خلقتِ شہر دہرائے گی دیر تک
نغمۂ جاں ترا، نوحہ خوانی مری"
(بندِ قبا، ص:۴۷)

"گراں نہ گزرے تو میری شبِ غریب سے مانگ
وہ روشنی، وہ کرن جو تری سحر میں نہیں"
(بندِ قبا، ص:۴۸)

"محسنؔ میں فقط خاکِ شفا پر نہیں نازاں
سجدوں کو میّسر ہے درِ شاۂِ نجف بھی"
(بندِ قبا، ص:۴۹)

"غم، خوشی سے حسین ہوتا ہے
خود کو اِس لَے میں ڈھال کر دیکھو"
(بندِ قبا، ص:۹۲)

محسن نقوی کا دوسرا شعری مجموعہ "برگِ صحرا" کے نام سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا۔ اِس مجموعے کو محسن نقوی کی شاعری کا "شباب" یا نقطۂ عروج کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ اِس شعری مجموعے میں محسن نقوی کے تمام تر کمالات کھُل کر سامنے آئے اور اِسی مجموعے نے ہی محسن کو محسن نقوی بنایا۔

"برگِ صحرا" کے پہلے فلیپ میں احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

> "جذبہ و احساس کی کارفرمائیاں شاعری کا بنیادی موضوع ہیں۔ تنوّع صرف تجربے کی انفرادیت سے پیدا ہوتا ہے۔ بعض لوگ اپنے ہی تجربے کے خدّوخال کو پہچاننے سے قاصر رہتے ہیں اور اِسی لیے عمر بھر رسمی شاعری کرتے رہتے ہیں۔ بعض اپنے تجربے کو اپنی تخلیقی شخصیت کا حصہ بنا لیتے ہیں اور یوں جذبہ و احساس کے اظہار میں شاعری کے اس اہم ترین موضوع کی نئ سے نئ پرتیں اُتارتے چلے جاتے ہیں۔ محسنؔ نقوی اِنھی شعرا میں سے ایک ہے۔ اس نے اپنے تجربے کو اپنے خون میں کھپا رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس کی آواز میں صداقت اور اعتماد کی گونج ہے۔ اپنی ذات کے کڑے تجزیے اور اپنے گرد و پیش کی غیر مشروط تنقید کے باوجود بے اعتباری اور گومگو کے اس دور میں محسن نقوی کی شاعری میں ایک وزن ہے اور یہ سچائی کے اثبات کا وزن ہے۔"(۵)

دوسرا فلیپ قتیل شفائی نے لکھا ہے:

"سید محسن نقوی کو شاعرِ اہلِ بیتؑ کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور میں اقرار کرتا ہوں کہ مُحسن کی مولائی اور کربلائی شاعری میں بھی اتنی دلکشی اور دلربائی ہے کہ اس پر ایمان لائے بغیر چارا نہیں، لیکن میں اُس محسن نقوی کو زیادہ قریب سے جانتا ہوں جو عقائد کی دنیا سے دُور ادب کے نخلستانوں میں کسی کھجور کے تلے خیمہ زن۔ حرف حرف زندگی کو جوڑ کر شعروں کے ساغر بناتا ہے اور انھیں آفاقیت کے میخانے میں سجا کر صلائے عام کا اعلان کر دیتا ہے۔ وہ اپنی ذات میں کائنات کی وسعتیں رکھنے والا شاعر ہے۔ اُسے اپنے عہد کے تقاضوں کا اِس حد تک احساس ہے کہ لحہ بہ لحہ آگے بڑھتے ہوئے مسائلِ حیات سے پیچھے رہ جانا اُس کے نزدیک پسپائی سے کم نہیں۔ وہ ایک فاتح اور ظفر مند تاجدار کی طرح شعر و ادب کے کئی معرکے سَر کر چکا ہے اور ابھی اُسے کئی معرکے سَر کرنے ہیں۔"(۶)

۲۔ برگِ صحرا:

"یہ سجدۂ سرِ مقتل کا وقت ہے محسنؔ
خود اپنے خونِ رگِ جاں سے اَب وضو ہی سہی"
(۷)

"ہم جو پہنچے سرِ مقتل تو یہ منظر دیکھا
سب سے اُونچا تھا جو سَر، نوکِ سناں پر دیکھا"
(برگِ صحرا، ص:۴۸)

"ہم وہ ہیں جن کو حفظِ مراتب کا غم نہیں
نوکِ سناں بھی تختِ سلیماں سے کم نہیں
وہ اپنا سَر نہ تھا جسے آئی نہ سرکشی
جو سرنگوں ہوا وہ ہمارا عَلم نہیں"
(برگِ صحرا، ص:۷۰)

"ہر اِک رُت میں ترا غم ہے سلامت
یہ موسم ایک جیسا رہ گیا ہے"
(برگِ صحرا، ص:۸۴)

کربلا ایک ایسی اَٹل حقیقت ہے کہ جسے کوئی بھی ذی شعور فراموش نہیں کر سکتا۔ وہ ہر وقت اپنے آپ کو اس میدان میں گریہ گزار محسوس کرتا ہے اور دس محرّم کے گزرے ہوئے لمحے کو وہ آج بھی اپنے قریب پاتا ہے۔

"کتنی کمیاب ہے متاعِ خلوص
یومِ عاشور جیسے موجِ فرات"
(برگِ صحرا، ص:۹۰)

"میں بھی بجھنے کو ہُوں اے قتل گہِ شہر مگر
یاد رکھے گی تری شامِ غریباں مجھ کو"
(برگِ صحرا، ص:۱۲۸)

"میرا سَر نوکِ سناں پر بھی رہے سب سے بلند
میں بنی آدم کی عظمت کا علمبردار تھا"
(برگِ صحرا، ص:۱۳۲)

آج ہم جب کربلا کے تناظر میں آدم کو سجدہ کیے جانے پر غور کرتے ہیں تو اِدراک ہوتا ہے کہ یقیناً آدم کی پیشانی میں حسینؑ کی صورت ایک ایسا نور چمک رہا تھا جسے سجدہ کرنا ہر سَر پہ واجب تھا۔

"محسنؔ بروزِ حشر نہیں خوفِ تشنگی
ساقی ہے بُوتراب اگر سلسبیل کا"
(برگِ صحرا، ص:۱۳۳)

"برگِ صحرا" کے بعد مذہبی قصائد کا مجموعہ "موجِ ادراک" ۱۹۸۲ء میں شائع ہوتا ہے، جو "رِثائی ادب" میں شہکار سمجھا جاتا ہے۔ "ردائے خواب" جس کی اشاعت ۱۹۸۵ء میں ہوئی، یہ مجموعہ شاعری قطعات پر مشتمل ہے۔

۵۔ ریزۂ حرف:

"ریزۂ حرف" ۱۹۸٦ء میں شائع ہوا۔ اِس مجموعے میں غزلوں کے ساتھ ساتھ نظمیں بھی ہیں۔ اَب "ریزۂ حرف" کی غزلوں میں "مضامینِ رثا" کے حوالے سے اشعار:

"ساحل بھگو رہی تھی سخاوت فرات کی
گھیرا ہُوا تھا آگ نے میرے خیام کو"
(ریزۂ حرف، ص:۷۷)

"گزر رہی ہیں گلی سے پھر ماتمی ہوائیں
کِواڑ کھولو، دِیے بجھاؤ، اُداس لوگو

جو رات مقتل میں بال کھولے گزر رہی تھی
وہ رات کیسی رہی سناؤ، اُداس لوگو
یہ جاں گنوانے کی رُت یونھی رائیگاں نہ جائے
سرِ سناں کوئی سَر سجاؤ، اُداس لوگو"
"ساحل بھگو رہی تھی سخاوت فرات کی
گھیرا ہُوا تھا آگ نے میرے خیام کو"
(ریزۂ حرف، ص:۱۰۰،۹۹)
"یاد آ نہ جائے مقتلِ یاراں کی رات پھر
نیزے پہ کوئی سَر نہ سجا میرے سامنے"
(ریزۂ حرف، ص:۱۱۱)

شاعر حسّاس ہوتا ہے لیکن جب ہم محسن نقوی کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ گلاب کی پتّی کے ٹوٹنے کے عمل کو بھی پسند نہیں کرتے۔ اُن سے ٹوٹا ہوا پتّا بھی نہیں دیکھا جاتا۔ ایسا حسّاس انسان جب ایک دن میں بہتّر بے کفن لاشے دیکھتا ہے تو اس کا تڑپنا ایک فطری عمل ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ اب اس دنیا کو ویسا اَلم ناک بنایا جائے۔

"اِسی سبب سے کیا سَر سپردِ نوکِ سناں
کہ جُرمِ بیعتِ ابنِ زیاد کیا کرنا"
(ریزۂ حرف، ص:۱۳۷)
"مرے سوا سرِ مقتل مقام کس کا ہے؟
کہو کہ اب لبِ قاتل پہ نام کس کا ہے؟
یہ تخت و تاج و قبا سب اُنھیں مبارک ہُوں
مگر یہ نوکِ سناں احترام کس کا ہے؟
ہماری لاش پہ ڈھونڈو نہ اُنگلیوں کے نشاں
ہمیں خبر ہے عزیزو یہ کام کس کا ہے"
(ریزۂ حرف، ص:۱۴۷)

٦۔ عذابِ دید:

"عذاب دید" کی اشاعت ۱۹۹۱ء میں ہوئی۔ اِس مجموعے میں کربلائی شعور سے وابستہ شعر دیکھیے:

"تعزیرِ اہتمامِ چمن کون دے گیا
مجھ کو گلاب جیسا کفن کون دے گیا"(۸)

"خاکِ مقتل مری پوشاک سنبھالے رکھنا
کیا خبر کون یہ بوسیدہ قبا لے جائے؟"
(عذابِ دید، ص:۲۴)

"اور کیا ہے متاعِ تشنہ لبی؟
دھوپ، صحرا ، تھکن، سراب، عذاب"
(عذابِ دید، ص:۲۵)

پوچھ تیغِ قاتل سے، مقتلوں کے میلے میں
ہم نے کس کو ڈھونڈا ہے، کس کی آرزو کی ہے
رات دُور بیٹھی ہے اِک ضعیف ماں بن کر
ہر جوان لاشے پر اِک ردا لہو کی ہے
اے نمازیو! ٹھہرو، دل کو زخم سہنے دو
کچھ لہو تو بہنے دو، یہ گھڑی وضو کی ہے
اپنا جرم ثابت ہے، تم سزا سُنا دینا
سَر کہیں سجا دینا، ہر سناں عُدو کی ہے"
(عذابِ دید، ص:۴۹،۴۸)

"کجکلاہوں سے لڑ گئے محسنؔ
ہم بھکاری حسینؑ کے در کے"
(عذابِ دید، ص:۵۲)

"یا شامِ قتل ہم نے بجھایا نہ تھا چراغ
یا وارثانِ جذبۂ شبیرؑ ہم نہ تھے"
(عذابِ دید، ص:۵۳)

"سناں پہ سج گئے لیکن جھکے نہ سَر اپنے
ستم گروں سے ہماری حمیّتیں پوچھو"
(عذابِ دید، ص:۶۲)

خودداری ایک ایسا جذبہ ہے کہ جس سے انسان واقعی اشرف المخلوق کہلانے کا حق دار ہے۔ اس دنیا میں ایسے خوددار نمودار ہوئے جنھوں نے اپنا سَر تو کٹوا دیا لیکن باطل قوتوں کے سامنے جھکانا گوارا نہ کیا۔ یہ کربلا کے مکتب کا ایک عظیم درس ہے۔

"خیر و شر میں فیصلے کا وقت ہے ترکش سنبھال
اپنے لشکر سے مثالِ حُر نکلنا ہے تجھے"
(عذابِ دید، ص:۶۶)

"فکرِ آرائشِ مقتل میں رہو!
مہر و میزان و عَلم کیا رکھنا؟"
(عذابِ دید، ص:۸۱)

"یہ کس نے ہم سے لہو کا خراج پھر مانگا؟
ابھی تو سوئے تھے مقتل کو سُرخرو کر کے"
(عذابِ دید، ص:۸۸)

"لشکرِ ظلم تھک گیا محسنؔ
اپنی قربانیاں نہیں جاتیں"
(عذابِ دید، ص:۱۱۱)

"جھک کے چومے نہ کیوں فلک محسنؔ
جب سناں پر کسی کا سَر ٹھہرے"
(عذابِ دید، ص:۱۲۶)

"اِک جنازہ اُٹھا مقتل سے عجب شان کے ساتھ
جیسے سج کر کسی فاتح کی سواری نکلے"
(عذابِ دید، ص:۱۳۵)

عظیم مقاصد کے لیے جان کا نذرانہ پیش کرنا ہر عہد میں بڑے لوگوں کا وطیرہ رہا ہے۔ ایسے لوگ ہی دائمی حیات حاصل کرتے ہیں۔ یہ بات بجا کہ اُن کے مقدر میں دار و رسن تو ہے لیکن مرنے کے بعد حیاتِ جاوید بھی انھی ہستیوں کو نصیب ہوتی ہے۔

"جسے مقامِ رضاؔ کی خبر نہیں محسنؔ
اُسے زیارتِ مشہد ہُوئی، ہُوئی نہ ہُوئی"
(عذابِ دید، ص:۱۷۰)

"بجھتے ہوئے دِیے کی دُعا کام کر گئی
اک شب کی گود کتنے ستاروں سے بھر گئی"
(عذابِ دید، ص:۱۸۳)

نامور شاعر و نقاد ڈاکٹر خیال امروہوی نے "عذابِ دید" کے مطالعے کے بعد اپنے شعری تاثرات یوں قلم بند کیے ہیں:

"نابغیت عمر بھر سجدہ کرے دہلیز پر
عبقریت نازشِ سرمایۂ انشا کہے
سطوتِ اِرقام شعری سے زبانیں گنگ ہیں
ناطقہ سر بہ گریباں ہے کہ آخر کیا کہے
آگہی، ابلاغ، مضموں، وجد، فکرِ بیکراں
یہ اثاثہ ہو تو کوئی شعر تجھ جیسا کہے"
(۹)

۷۔ طلوعِ اشک:

۱۹۹۳ء میں "طلوعِ اشک" غزلوں اور نظموں پہ مشتمل شعری مجموعے کی اشاعت ہوئی۔ محسن کی غزل میں رثائی فکر "عصرِ حاضر" سے ہم آہنگ ہو گئی۔

"تر ہوئے خوں میں، کبھی خاک پہن کر آئے
ہم ہمیشہ نئی پوشاک پہن کر آئے"
(۱۰)

"سر برہنہ چلے آئے ہیں کہ پتھر برسیں
ہم ترے شہر کا آئینِ کرم جانتے ہیں"
(طلوعِ اشک، ص:۲۸)

"صحرا بھی جی رہا تھا جو دریا دلی کے ساتھ
دیکھا جو غور سے تو وہ پیاسا بہت لگا"
(طلوعِ اشک، ص:۳۱)

"میں ہی تشنہ لبِ فراتِ حیات
زائرِ دشتِ نینوا بھی میں
میرے باہر ہے سازشوں کا ہجوم
اپنے اندر ہوں کربلا بھی میں
میں ہی جلتے ہوئے خیام کی شام
صبحِ صد چاک و بے رِدا بھی میں
میری ہر سانس شورشِ زنجیر

ماتمِ حلقۂ عزا بھی میں"

(طلوعِ اشک، ص:۶۲)

کربلا، دس محرّم ۶۱ھ کو رُک نہیں گئی بلکہ آج بھی رواں دواں ہے۔ ان اذیّتوں سے لبریز کائنات میں آج بھی کئی سینے برچھیوں سے چھلنی، کئی سَر نوکِ سناں کی زینت اور کئی سامراج کے ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ شاعر بھی اپنے ارد گرد کی دنیا میں بکھری ہوئی اَلم ناکیوں کو دیکھتا ہے اور خود کو اُسی کرب ناک ماحول میں محسوس کرتا ہے۔

"خوش ہو، اے بلندیوں کی خواہش
میں نوکِ سناں پہ سج گیا ہوں"

(طلوعِ اشک، ص:۷۳)

"دریا کو شکست دی ہے میں نے
مشکیزے میں پیاس بھر رہا ہوں"

(طلوعِ اشک، ص:۷۴)

"وہی ہم ہیں، وہی مقتل کی دھج ہے
وہی جاں سے گزر جانے کا موسم"

(طلوعِ اشک، ص:۹۴)

"گر سوچنا ہیں اہلِ مشیّت کے حوصلے
میداں سے گھر میں، ایک تو میّت اُٹھا کے لا"

(طلوعِ اشک، ص:۹۶)

"منصب بقدرِ قامتِ کردار چاہیے
کٹتے ہوئے سَروں کو بھی دستار چاہیے
اک صبحِ بے کفن کو ضرورت ہے نوحہ گر
اِک شامِ بے رِدا کو عزادار چاہیے"

(طلوعِ اشک، ص:۱۲۳)

عزادار، ایک ایسا عظیم منصب کہ جس کا دل ہر وقت یادِ حسینؑ میں دھڑکتا رہتا ہے۔ آج کل کی بدلتی ہوئی دنیا میں جس عزادار کی شاعر کو تلاش ہے، وہ نظروں سے اوجھل ہے۔ شاعر اُسی عزادار کی تمنّا کرتا ہے جس کی آنکھوں سے بے رِیا اشک طلوع ہوتے ہیں۔

"چشمِ دشمن کے خوف سے پوچھو
نوکِ نیزہ پہ سَر نہیں، ہم ہیں"
(طلوعِ اشک، ص:۱۴۲)

"درد سینے میں ہُوا نوحہ سَرا تیرے بعد
دل کی دھڑکن ہے کہ ماتم کی صدا تیرے بعد"
(طلوعِ اشک، ص:۱۴۴)

"رات بہت بھٹکے ہم لے کر، آنکھوں کے خالی مشکیزے
رات فرات پہ پھر دشمن کے لشکریوں کا پہرا دیکھا"
(طلوعِ اشک، ص:۱۷۹)

آج بھی حق کے نمائندے باطل کی قوتوں کی زَد میں ہیں۔ ظلم و ستم کی طویل رات ڈھلنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ سب کو وارثِ حقیقی کا انتظار ہے کہ وہ آئے اور زمانے کو ان مصائب سے چھٹکارا دِلائے۔

"کہہ گئی چشمِ تر کی حیرانی
زندگی ہے فرات کا پانی
بادشاہت سے قیمتی محسنؔ
بارگاہِ علیؑ کی دربانی"
(طلوعِ اشک، ص:۱۹۸)

"سورج کا خوف دل سے بھُلا دینا چاہیے
اب اپنا سَر سِناں پہ سجا دینا چاہیے
یارو اِسی کے دَم سے ہیں مقتل کی رونقیں
قاتل کو زندگی کی دُعا دینا چاہیے"
(طلوعِ اشک، ص:۲۰۳)

یہ وہ عظیم خاندان ہے جس کا سلسلہ پتھر کھا کے دعا دینے سے شروع ہُوا تھا۔ قاتل کو شربت پلانا اِنھی کا حوصلہ ہے۔ یہ روایت کربلا میں بھی دکھائی دیتی ہے جہاں امامؑ چھلنی چھلنی بدن کے ساتھ بھی پیغامِ حق پہنچاتے ہوئے اپنے قاتلوں کو نارِ جہنم سے بچنے اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔

"محسنؔ طلوعِ اَشک دلیلِ سحر بھی ہے
شب کٹ گئی، چراغ بجھا دینا چاہیے"
(طلوعِ اشک، ص:۲۰۴)

۸۔رختِ شب:

۱۹۹۴ء میں "رختِ شب" چھپی اِس میں بھی غزلوں کے ساتھ ساتھ نظمیں شامل ہیں۔غزلوں میں رثائی رمق دیدنی ہے۔

"گھر کِس نے جلایا ہے، کیسے کون بتائے؟
منصف ہے یہاں آگ، گواہوں میں دھواں ہے"
(رختِ شب، ص:۲۲)

"یہ سخاوت مرے شجرے میں لکھی ہے پہلے
اپنے دشمن کو دُعائیں تہِ خنجر دینا
دیکھنا ہیں مرے جوہر تو مرے عدل پناہ
حوصلہ مجھ کو، مرے غیر کو لشکر دینا"
(رختِ شب، ص:۲۵)

"ہوا کا لَمس جو اپنے کِواڑ کھولتا ہے
تو دیر تک مِرے گھر کا سکوت بولتا ہے
سُنا ہے زلزلہ آتا ہے عرش پر محسنؔ
کہ بے گناہ لہو جب سِناں پہ بولتا ہے"
(رختِ شب، ص:۴۴)

آسمان پہ شفق رنگ کربلا میں بہتے ہوئے بے گناہ لہو کی علامت کے طور پر دکھائی دیتا ہے۔یہ بے گناہ لہو جب پھیلتا ہے تو کتنے دِلوں کو شکستہ کر دیتا ہے۔حسّاس انسان محسوس کرتا ہے کہ اِس خون کی بے حرمتی سے عرش تک کانپ جاتا ہے۔

"سَر نوکِ سناں پر ہے، بدن رزقِ زمیں ہے
مقتل سے عَلم میرا اُٹھا لائے کوئی اور!!"
(رختِ شب، ص:۴۷)

"یہاں بُزدل ہے قاتل کا قبیلہ
سجے نوکِ سِناں پر اپنا سَر کیا؟"
(رختِ شب، ص:۷۲)

"بُجھنے لگا ہے پھر تری غارت گری کا شور
مقتل میں آ کے مشقِ ستم کا اِعادہ کر"

(رختِ شب، ص:۹۰)

"سُرخ ہے شہر کی شب کا چہرہ
پھر کہیں قتل ہُوا ہے کوئی"

(رختِ شب، ص:۹۶)

"کٹے ہاتھوں سی یہ بنجر دراڑیں
کبھی اِن میں کوئی دریا بھی ہو گا"

(رختِ شب، ص:۱۱۳)

"وہاں کی ریت لہو چاٹتی تھی یُوں میرا
رگِ فُرات میں جیسے رواں نہ تھا پانی
یہ اور بات، مِری تشنگی سمجھتا تھا
یہ اور بات مِرا ہم زباں نہ تھا پانی
وہاں پہ آگ نے جھُلسا دیئے تھے مشکیزے
جہاں قریبِ صفِ تشنگاں نہ تھا پانی"

(رختِ شب، ص:۱۶۲)

"ملی نہ جن کی جبیں کو پئے سجود جگہ
انھیں کے پاک لہو سے ہے باوُضو مٹی"

(رختِ شب، ص:۱۶۴)

"سر پٹختی ہے شَل کِواڑوں سے
کِس کے ماتم میں سوگوار ہَوا"

(رختِ شب، ص:۱۶۷)

ہَوا کا شَل کِواڑوں سے سر پٹخنا اُس بے بسی اور بے یار و مدد گاری کی علامت ہے کہ جب رونے والا دُور دُور تک دکھائی نہ دے۔ ہَوا خود ماتمی بن کر نگر نگر نوحے سناتی پھرے۔

”ایک ہی روز تھا حشر کا روز
کاش اُس روز نہ جلتی آگ“
(رختِ شب، ص:۱۶۹)

”قاتل مِرا نشان مٹانے پہ ہے بضد
میں بھی سِناں کی نوک پہ سَر چھوڑ جاؤں گا“
(رختِ شب، ص:۱۹۱)

ازل سے آج تک باطل قوتیں حق کو مٹانے کے دَرپے ہیں۔ شرارِ بُولہبی نہیں چاہتا کہ چراغِ مصطفویؐ روشن رہے، لیکن ابولہب کے چاہنے سے تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ خدا خود اِن چراغوں کو روشن رکھنا چاہتا ہے۔ کیوں کہ اِن چراغوں کی روشنی سے ہی اُس کی اپنی پہچان ہوتی ہے۔

”مِرا سلام ادب، خاکِ مقتلِ یاراں
کہ مجھ کو ڈھونڈتا پھرتا نہ ہو عُدو میرا“
(رختِ شب، ص:۲۱۰)

”فراتِ فکر“ اور ”حق ایلیا“ دونوں مذہبی شاعری کے حوالے سے اُن کے مجموعے ہیں جو اُن کی شہادت کے بعد ۱۹۹۷ء میں منظر عام پر آئے۔ محسن نقوی کا آخری شعری مجموعہ ”خیمۂ جاں“ کے نام سے ۱۹۹۶ء میں منظر عام پہ آیا۔

”قتل چھپتے تھے کبھی سنگ کی دیوار کے بیچ
اب تو کھُلنے لگے مقتل بھرے بازار کے بیچ“
(۱۱)

”معرکہ اب کے ہُوا بھی تو پھر ایسا ہو گا
تیرے دریا پہ مری پیاس کا پہرہ ہو گا“
(خیمۂ جاں، ص:۱۵)

”مرے بعد نوحہ بہ لب ہوائیں کہا کریں
وہ جو اِک دریدہ لباس تھا، سو نہیں رہا“
(خیمۂ جاں، ص:۲۴)

”زمیں پہ اُس کے کٹے بازوؤں کا سایہ ہے
عُدو کے سامنے سینہ سِپر وہ ایسا تھا“

(خیمۂ جاں، ص:۳۲)

دنیا کی کیسی کیسی سلطنتوں کے پرچم زمیں بوس ہو گئے، بستیاں آباد ہوئیں اور اب صرف اُن کا نام تاریخ کا حصہ ہیں۔ کربلا ایک ایسی بستی کہ جب سے بسی ہے تب سے اُس کی رونقوں میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ یہاں وہ عَلم بلند ہے جو کبھی سرنگوں نہیں ہوا اور کمال کی بات یہ ہے کہ یہ اُس بے ہاتھوں والے کے ہاتھ میں ہے جس نے وفاداری کی انتہا کر دی۔

"ہمارے پاؤں تلے موج مارتا تھا فرات
یہ اور بات کہ تشنہ دہاں تھے ہم جیسے
یہ تاج و تخت رہے اپنی ٹھوکروں میں سدا
کہ سرفرازِ صلیب و سِناں تھے ہم جیسے"

(خیمۂ جاں، ص:۴۲،۴۱)

"مرا سَر سب سے اُونچا ہے
مجھے مقتل نیا دینا"

(خیمۂ جاں، ص:۷۶)

"کس کے سَر پر سِناں کو رشک آیا
کون مقتل میں کامیاب ہُوا"

(خیمۂ جاں، ص:۸۸)

"نوکِ سناں پہ کیوں نہ سجے اپنی سرکشی
جُز شہر یار، شہر میں اپنا عُدو ہے کون"

(خیمۂ جاں، ص:۹۸)

محسن نقوی کی غزلوں میں کربلا جابجا چمکتی دمکتی دکھائی دیتی ہے۔ اُنھوں نے غزل کی لطیف فضا کو مرثیے کے لطف میں جذب کر کے اِسے نئے فکری وفنی امکانات سے آشنا کیا۔

ڈاکٹر اسد اریب نے محسن نقوی کی برسی کی تقریب منعقد ۱۶ جنوری ۲۰۲۵ء ملتان آرٹس کونسل میں صدارتی خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

"محسن نقوی نے اُردو شاعری میں امام حسینؑ کی محبت کو غالب کرنے کی کوشش کی۔"(۱۲)

ڈاکٹر شمیم حیدر ترمذی لکھتے ہیں:

”محسن نقوی کی غزلوں میں کربلا کے نشان جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ حلقۂ ماتم، یومِ عاشورہ، عَلم، معصوم لہو کے چھینٹے، عزادار، مرثیہ، موجِ فرات، مقتل، نوکِ سناں، شامِ غریباں ایسے الفاظ اُس کی غزلوں کو سنجیدہ، بامقصد اور شفق رنگ بناتے ہیں۔“(۱۳)

حوالہ جات

۱۔ محسن نقوی، ریزۂ حرف، (لاہور: ماورا پبلشرز، ۱۹۸۶ء)، ص: ۱۰۷

۲۔ محسن نقوی، رختِ شب، (لاہور: ماورا پبلشرز، ۱۹۹۴ء)، ص: ۲۵

۳۔ خلیل صدیقی، پروفیسر، نئی نسل کا منفرد شاعر، مشمولہ: بندِ قبا از محسن نقوی، (لاہور: ماورا پبلشرز، دوسرا ایڈیشن، مارچ ۱۹۸۴ء)، ص: ۱۲

۴۔ محسن نقوی، بندِ قبا، ص: ۲۸

۵۔ احمد ندیم قاسمی، مشمولہ: برگِ صحرا از محسن نقوی، (لاہور: ماورا پبلشرز، ۱۹۷۸ء)، فلیپ

۶۔ قتیل شفائی، مشمولہ: برگِ صحرا از محسن نقوی، فلیپ

۷۔ محسن نقوی، برگِ صحرا، ص: ۳۶

۸۔ محسن نقوی، عذابِ دید، (لاہور: ماورا پبلشرز، ۱۹۹۱ء)، ص: ۱۹

۹۔ خیال امروہوی، ڈاکٹر، منظوم خراجِ عقیدت، مشمولہ: کربِ ناتمام از شاہد ملک، (ملتان: نوبہار پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۷ء)، ص: ۱۱۲

۱۰۔ محسن نقوی، طلوعِ اشک، (لاہور: ماورا پبلشرز، ۱۹۹۳ء)، ص: ۲۱

۱۱۔ محسن نقوی، خیمۂ جاں، (لاہور: ماورا پبلشرز، ۱۹۹۶ء)، ص: ۱۱

12. https://www.youtube.com/watch?v=aBmV8_OIFME

۱۳۔ شمیم حیدر ترمذی، ڈاکٹر، ادب و اثر، (ملتان: بیکن بکس، ۲۰۱۰ء)، ص: ۸۶

Reference in Roman Script.

1. Mohsin Naqvi, *Rizah-e-Harf*, (Lahore: Mawra Publishers, 1986), p. 107
2. Mohsin Naqvi, *Rakh-e-Shab*, (Lahore: Mawra Publishers, 1994), p. 25
3. Khalil Siddiqui, Professor, "Nai Nasal Ka Munfarid Shair," included in: *Band-e-Qaba* by Mohsin Naqvi, (Lahore: Mawra Publishers, Second Edition, March 1984), p. 12
4. Mohsin Naqvi, *Band-e-Qaba*, p. 28
5. Ahmad Nadeem Qasmi, included in: *Barg-e-Sehra* by Mohsin Naqvi, (Lahore: Mawra Publishers, 1978), flap
6. Qateel Shifai, included in: *Barg-e-Sehra* by Mohsin Naqvi, flap
7. Mohsin Naqvi, *Barg-e-Sehra*, p. 36
8. Mohsin Naqvi, *Azaab-e-Deed*, (Lahore: Mawra Publishers, 1991), p. 19
9. Khayal Amrohvi, Dr., "Manzoom Khiraj-e-Aqeedat," included in: *Karb-e-Na-Tamam* by Shahid Malik, (Multan: Nohar Printing Press, 1997), p.112
10. Mohsin Naqvi, *Tulu-e-Ashk*, (Lahore: Mawra Publishers, 1993), p. 21
11. Mohsin Naqvi, *Khima-e-Jaan*, (Lahore: Mawra Publishers, 1996), p. 11
12. https://www.youtube.com/watch?v=aBmV8_OIFME
13. Shamim Haider Tirmizi, Dr., *Adab o Asar*, (Multan: Beacon Books, 2010), p. 86